بنیاد جلد دوم شمارہ:۲، ۲۰۱۲ء

عمر فاروق *

غزل: کیفیتِ ابتدا اور بنیادی لُغوی معانی

عربی شاعری میں غزل علاحدہ سے کوئی صنفِ سخن نہیں، بلکہ قصیدے کی دیگر معروف اغراض کی طرح ایک غرض ہے۔ ان اغراض میں غزل، فخر وحماسہ، مدح، وصف و بیان، ہجو، اعتذار، رثاء اور حکمت اور نصیحت شامل ہیں۔ یہ اغراض یا موضوعات بیش تر ایک ہی قصیدے کو تشکیل دینے والے مختلف اجزا ہیں، بالخصوص جب کہ قدیم عربی قصیدہ نامیاتی وحدت (organic unity) کا حامل نہیں، بلکہ قبائلی ماحول کے تناظر میں یہ عربی شاعر کے نفسیاتی تسلسل (psychological sequence) پر مبنی رہا۔ جب کہ اموی اور عباسی دور میں لکھی جانے والی خمریات اور طردیات، بعض شعرا کے کچھ یا اکثر قصائد میں صرف شراب یا شکار کے وصف [۱] سے عبارت ہیں، جو دراصل قدیم عربی قصیدے کی خمر اور صید کے وصف و بیان پر مشتمل غرض کی توسیع ہے۔ تاہم، قصیدہ، خمریة اور طردیة کے صفاتی ناموں کے ساتھ، عربوں کی معروف صنفِ سخن قصیدة ہی کے طور پر معروف رہا۔ یہی حال صرف غزل [۲] پر مبنی قصائد کا ہے، جو بعض شعرا (جیسے عمر بن أبي ربيعة وغیرہ) کے ہاں واحد غرض کے طور پر سامنے آتی ہے، جس کے باعث ان قصائد کو غزلية کہا گیا۔

پھر قصیدہ جب عربی سے فارسی شاعری میں بطور ماخوذ ومستعار صنف کے منتقل ہوا، تو اہلِ

فارس نے بھی عربوں کے تتبع میں بیش تر انھی اغراض پر مشتمل قصائد لکھے جن پر عربی قصیدہ مبنی تھا(۳)۔ البتہ، عربی شاعری کے برعکس، فارسی شاعری میں قصیدے کی تشبیب، (۴) یعنی نسیب وغزل پر مشتمل اشعار، بعدازاں غزل ہی کے نام سے قصیدے سے مختلف ایک علاحدہ صنفِ سخن میں ڈھل گئے، (۵) اور وقت کے ساتھ ساتھ اس غزل کے مضامین میں وسعت آتی گئی۔ یہی الگ شناخت کی حامل صنفِ سخن (غزل) قصیدے کے پہلو بہ پہلو اردو شاعری میں اپنائی گئی، اور مختلف اسباب کی بنا پر اس قدر مقبول ہوئی کہ قصیدہ اس کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گیا۔ بلکہ زیادہ تر مدح کی غرض سے لکھے جانے کے باعث قصیدے کے لفظی مفہوم میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی، اور یہ مدح سرائی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔(۶)

غ ز ل کا عربی مادّہ، ایک دوسرے سے مختلف تین بنیادی معنوں کا حامل ہے:(۷)

(۱) غَـزْل (بفتحِ غین وسکونِ زاء) بطور مصدر، سوت کاتنے کے معنی دیتا ہے، یا مصدر بطور اسم مفعول، کاتے ہوئے سوت (یعنی مَغْزُوْل) کا مفہوم، جیسے قرآن کی ایک آیت (النحل:۹۲) میں استعمال ہوا ہے۔ (۲) غَـــزَل (بفتحِ غین وزاء) بطور مصدر یا اسم، عورتوں سے دل بستگی کی باتیں کرنے یا ایسی باتوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تیسرا مفہوم غَـــزَال کے لفظ کا ہے، جس کا مطلب ہے ہرن کا بچہ (ہرنوٹا)، جب وہ چلنے لگے۔ ہر سہ معانی کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ البتہ، ان سے نکلے ہوئے الگ الگ مشتقات کے مفاہیم اپنے اپنے بنیادی معنی سے ضرور تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر غَـزَالَـة کا لفظ جب عربی میں طلوع ہو جانے والے سورج کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، تو اس کا غَـــزَال سے تانیث کا تعلق نہیں ہوتا، بلکہ سورج کی شعاعوں کو سوت کے دھاگوں سے تشبیہ دے کر اس کے معنی اخذ کیے گئے ہیں۔

(۳) اسی طرح غَـزَل (بفتحِ غین وزاء) اگر اُس فعل سے بطور مصدر آئے جس کا مطلب ہے کتے کا ہرن کے بچے کے پیچھے بھاگنا، اسے جالینا، اور پھر اس کی خوف زدہ چیخ سن کر اسے چھوڑ دینا تو اس کے معنی (کتے کا شکار کی طلب میں) کم زور یا سست پڑ جانا ہوں گے۔(۸)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ غَـــزَل (حدیث بازناں) کے لفظ کا سوت کاتنے یا ہرن کے بچے

سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ اپنی الگ معنوی وحدت کا حامل ہے۔(۹)

البتہ، غَـزِل (بفتحِ غین وکسرِ زاء) کا لفظ، جو حدیث بازناں اور سست وکم زور شدن، ہر دو مفہوم والے الگ الگ افعال ومصادر سے بطور صفت استعمال ہوتا ہے، لغت دانوں کے نزدیک ایک گونہ معنوی ربط کا ضرور حامل ہے۔ اس طرح کہ رَجُـلٌ غَـزِلٌ کا ایک مطلب عورتوں کی مصاحبت میں رہنے والا وہ شخص ہے جو دیگر امور سے غافل یا سست ہو جاتا ہے۔

حدیث بازناں، یعنی عورتوں سے باتیں کرنا، غزل کا بنیادی مفہوم ہے، اور اسی اعتبار سے عربی کے غزلیہ اشعار میں مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا، کہ شاعر کا مخاطب یا محبوب عورت تھی۔ تاہم بعد کے ادوار میں دیگر اقوام کے ساتھ میل جول اور ان کے شعری مذاق کے تحت عربی غزل میں بھی مذکر کا خطاب کسی قدر رواج پا گیا، جیسے عباسی دور کے شاعر اَبو نُوَاس کے ہاں، اور اسی طرح اندلس کے بعض شعرا کے ہاں بھی۔ جب کہ فارسی غزل کا محبوب مُغ بچے قرار پائے، اور اگر شروع میں خالص عربی غزل کی پیروی میں عورت کے حوالے سے غزل لکھی گئی، تو فارسی میں مؤنث اور مذکر کے صیغہ جات الگ الگ نہ ہونے کے باعث، سوائے کسی اور قرینے کے، تمیز کرنا مشکل ہے۔ اردو غزل کا محبوب مذکر ہی قرار پایا، اور اگر مؤنث بھی ہو، تو چند ایک استثنائی صورتوں میں۔ جب کہ مؤنث کے صیغے کو معیوب اور غیر فصیح گردانا گیا۔(۱۰)

ضمناً، غزل، نظم یا قصیدے وغیرہ کے خاص طور پر آخری شعر میں ذکر کیے جانے والے شعری نام (تخلص) کا استعمال بھی فارسی ہی میں شروع ہوا، جہاں سے یہ اردو میں آیا۔ اِس تخلص کا قصیدے کی اُس معروف اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں جسے گریز (یعنی ایک موضوع سے خلاصی پا کر دوسرے موضوع کی جانب متوجہ ہونا) بھی کہتے ہیں۔ عربی شاعری میں یہ مخصوص شعری نام نہیں پایا جاتا۔ البتہ، فخر و حماسہ کے ضمن میں شاعر کبھی اپنے اصل نام یا کنیت کا ذکر کر دیا کرتا تھا۔ فارسی اور اردو کے اس تخلص کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ اپنے بنیادی معنوں (چھٹکارا پانے) کے لحاظ سے اوّلاً غزل کے اختتام یا آخری شعر کو تخلص کہا گیا، اور بعدازاں جب خاتمے کی علامت کے طور پر شاعر اس میں اپنا مخصوص شعری نام بھی ذکر کرنے لگا، تو شدہ شدہ اس نام ہی کو تخلص کہا جانے لگا، جو کبھی مقطعے سے ہٹ کر بھی کسی شعر

میں استعمال کرلیا جاتا۔ (۱۱)

غزل کے ہر شعر کا مستقل مضمون کا حامل ہونا بھی عربی (اور اس پر مبنی فارسی) قصیدے میں ہر شعر کے قائم بالذات ہونے سے منسلک ہے۔ اس حوالے سے عربی علمِ قافیہ کی ایک اصطلاح تضمین کا اطلاق کیا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ پچھلا شعر اگلے کا محتاج ہو، یعنی ایک شعر کے معنی دوسرے شعر میں جا کر پورے ہوں۔ عربی قصائد میں اگرچہ کہیں کہیں یہ تضمین پائی جاتی ہے، لیکن عام طور پر اسے عیب قرار دیتے ہوئے قبیح سمجھا گیا۔ (۱۲)

ذیل میں عربی زبان کی دو معروف، مفصل و مبسوط حوالہ جاتی لغات لسان العرب المحیط از تالیف محمد بن مکرَّم ابن منظور الإفریقي (وفات: ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء) اور تاج العروس من جواهر القاموس از محمد مرتضی الزَّبیدي (وفات: ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء) میں سے غ ز ل کے تحت وارد الفاظ کے معانی پیش کیے جا رہے ہیں: بایں طور کہ متن میں انیسویں صدی عیسوی کے لبنانی ادیب و لغت نگار بُطرُس البستاني کی تالیف کردہ محیط المحیط میں درج لسان العرب اور تاج العروس میں دیے گئے معانی کا خلاصہ بعینہٖ ترجمہ کر دیا گیا ہے، جب کہ حواشی میں لسان و تاج کے حوالے سے دیگر تفصیلات مذکور ہیں۔ آخر میں موجودہ دور کے ایک شامی محقق و استادِ زبان و ادب ڈاکٹر محمد التُّونجي کی ادبی اصطلاحات و متعلقات پر تصنیف المعجم المفصَّل في الأدب سے غزل اور نسیب کے بارے میں چھپے اندراجات کا ترجمہ بھی منسلک ہے۔

بُطرُس البُستاني، محیط المحیط جلد دوم (عکسی طبع)

(بیروت: مکتبۃ لبنان، ۱۸۷۰ء)، ۱۵۳۱۔

غَزَلَتِ المرأةُ القطنَ والصوفَ وغیرهما تَغزِلُه غَزْلًا: خاتون نے روئی یا اون (کے ریشوں) کو کھینچا اور بٹ کر دھاگا بنایا۔ [مصدر غَزْل]

غَزِلَ فلانٌ بالنساء یَغْزَلُ غَزَلًا: کسی مرد نے عورتوں سے گفتگو کی۔ [مصدر غَزَل]

غَزِلَ الکلبُ: کتے کی تیزی سستی میں بدل گئی، یعنی وہ ہرن کے بچے کی طلب میں نکلا حتی کہ اسے جا لیا اور وہ کتے کے خوف سے چیخا، تو کتا اسے چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ (۱۳) [مصدر غَزَل، جس کی صراحت تاج العروس میں کی گئی ہے]

غَازَلَ المرأةَ مُغَازَلَةً: (کسی آدمی نے) عورت سے گفتگو کی اور اسے پھسلایا۔ (اس فعل کے استعمال میں) آپ کہتے ہیں غَازَلْتُهَا وغَازَلَتْنِيْ، یعنی میں نے اس (عورت) سے باتیں کیں اور اس نے مجھ سے، اور میں نے اسے پھسلایا اور اس نے مجھے۔ (اس فعل کا) اسم غَزَل ہے۔ [مصدر مُغَازَلَة (مغازلت)، اور اس سے مستعمل اسم غَزَل (۱۴)]

غَازَلَ فلانٌ الأربعین: فلاں شخص چالیس کے قریب پہنچ گیا۔ [لفظاً: چالیس کے سن سے مغازلت کرنے لگا]

أَغْزَلَتِ المرأةُ: عورت نے تکلے کو گھمایا۔ [مصدر إِغْزَال]

أَغْزَلَتِ الظبیةُ: ہرنی بچے والی ہوگئی۔ [مصدر إِغْزَال]

تَغَزَّلَ فلانٌ: فلاں شخص نے عورتوں سے گفتگو (غَزَل) میں تکلف کیا (یعنی بہ تصنع غَزَل لکھی یا ایسی گفتگو کی)۔ (۱۵) [مصدر تَغَزُّل]

تَغَازَلُوا: انھوں نے باہم مغازلت کی۔ [مصدر تَغَازُل]

اِغْتَزَلَتِ المرأةُ القطنَ: عورت کے روئی کاتنے (غَزَلَتْ) کے معنوں میں (آتا ہے)۔ [مصدر اِغْتِزَال]

الغَازِلَة: فعل غَزَلَتْ سے اسم فاعل (یعنی کاتنے والی خاتون)۔ اس کی جمع غُزَّل اور غَوَازِل ہے۔

الغَزَال: ہرن کا بچہ جب وہ حرکت کرنے اور چلنے لگے، یا پیدائش سے لے کر جب وہ خوب دوڑنے بھاگنے لگے۔ اس کی جمع غِزْلَة اور غِزْلَان ہے۔

غَزَالُ شعبان: ایک چھوٹا رینگنے والا جانور (=ایک قسم کی ٹڈی یا کیڑا)۔

دَمُ الغزال: ایک چرپری (مرچیلی) بوٹی، جس کے پانی یا عرق سے لڑکیاں اپنے ہاتھوں میں (مراد کلائیوں کے گرد) سرخ کنگن بناتی ہیں۔

الغَزَالَة: غزال کی مؤنث۔

الغزالة: سورج (کو بھی کہتے ہیں) کیونکہ وہ (اپنی شعاعوں کے) تار پھیلاتا ہے، گویا وہ سوت کی طرح انھیں کات رہا ہے، یا غزالة طلوع ہوتے سورج، یا جب وہ بلند ہو چکا ہو، یا چشمۂ آفتاب اور اس کی شعاع کو بھی کہتے ہیں۔ بعض لغت دانوں کا کہنا ہے کہ بولنے میں طَلَعَتِ الغزالة کہتے ہیں، یعنی طلوع کے ساتھ غزالة کا لفظ استعمال کرتے، لیکن غروب کے لیے غَرُبَتِ الغزالة نہیں کہا جاتا۔ اس کی جمع غَزَالات ہے۔ غزالة الضُّحَى یا غزالات الضُّحَى چاشت کے آغاز یا اس کی شعاعیں پھیلنے اور چاشت کے وقت میں داخل ہونے کے فوراً بعد کو کہا جاتا ہے، یا سورج کے طلوع ہونے سے لے کر دن کا پانچواں حصہ گزر جانے کو غزالة کہتے ہیں۔

الغزالة: میٹھے ذائقے کی حامل ایک گھاس یا بوٹی جسے سب جان دار کھاتے ہیں۔ (۱۶)

الغَزْل: (کا تا فعل کا) مصدر ہے، نیز مَغْزُول، یعنی کاتے ہوئے (سوت کے معنوں میں)، جو مصدر بطور اسم مفعول (کا استعمال) ہے۔ اس کی طرف نسبت غَزْلِيٌّ ہے۔ (۱۷)

الغَزَل: عورتوں سے باتیں کرنے اور انھیں پھسلانے کو کہا جاتا ہے۔ المصباح المنیر کے مصنف کا کہنا ہے کہ غَزَل لڑکوں اور لڑکیوں کی (باہم) گفتگو کو کہتے ہیں۔ (۱۸)

الغَزِل: عورتوں سے تغزل کرنے والے کو کہا جاتا ہے (۱۹)۔ نیز کسی کام میں کم زور یا سست کو بھی غَزِل کہتے ہیں۔

الأَغْزَل: غَزَل سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ ضرب المثل کے طور پر کہا جاتا ہے أَغْزَلُ مِنِ امْرِئِ الْقَيْس، یعنی امرؤالقیس سے زیادہ تغزل کرنے والا۔ حُمّی، یعنی بخار میں سے أَغْزَل وہ بخار ہے جو بیمار پر بار بار عود کر آتا ہے۔ (۲۰)

المَغْزَل: عورتوں سے باتیں کرنا (یعنی غَزَل سے مصدرِ میمی)۔ (۲۱)

ظبيةٌ مُغْزِل: بچے والی ہرنی کو کہا جاتا ہے۔

المَغْزَل والمِغْزَل والمُغْزَل: جس سے کاتا جائے (یعنی تکلا)۔ اس سے بطور ضرب المثل کہا جاتا ہے أَعْرَى من المغزل، یعنی تکلے سے زیادہ عریاں، کیونکہ عورت تکلے پر لپٹا تمام سوت اتارتی جاتی ہے (اور آخر میں اسے خالی کر دیتی ہے)۔ (۲۲)

محمد التونجي، المعجم المفصّل في الأدب جلد دوم
(بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۳ء)، ۶۷۲-۶۷۰، ۸۵۹-۸۵۸

غزل

غزل مرد اور عورت کی زندگی سے انتہائی طور پر وابستہ ایک ادبی فن ہے، جو سب سے زیادہ مشہور، رواج پذیر اور لطف انگیز ہے، کیونکہ مرد اور اس کی زندگی عورت کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ عورت رضامندی و ناراضی اور سرور و غم کا باعث ہے، نیز مرد کی معاون اور اس کے تخیل کی محرک بھی۔ عربی شاعر عورت کے حسن و جمال کی تعریف کرتا اور اپنی اس غزل (یعنی تحسینِ جمال) کو ہجویہ، مدحیہ اور رزمیہ قصائد کا سرآغاز بناتا، اور الگ سے مکمل قصائد و قطعات کا موضوع بھی۔

جب سے کرۂ ارض پر انسانی زندگی کا ظہور ہوا، مرد عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش اور اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا چلا آ رہا ہے۔ عورت کے دل میں جگہ بنانے کی اس کوشش میں وہ ایک فن کار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب، دنیا میں حسن و عشق کی بہت سی داستانیں ہمارے سامنے ہیں، جو انسان کے انسان ہونے پر دلالت کرتی ہیں، کہ وہ محبت کرتا اور عشق میں مبتلا ہوتا ہے، اور پھر شعر و نثر میں اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

(عرب) تنقید نگاروں اور علماء کی تحریروں میں غزل کا لفظ نسیب اور تشبیب کے مترادف ہے۔ یہ اپنے دوسرے ہم معنی الفاظ کی جگہ استعمال ہوتا ہے، اور زبان دان چاہے تو دوسرے مترادف لفظ کو اس کی جگہ استعمال کر سکتا ہے۔ یہ مترادفات زبان کو باثروت بناتے ہیں، اور مذکورہ نوعیت کی بات کو نام دینے میں قبائل کا (لسانی) اختلاف واضح کرتے ہیں۔ وہ ان الفاظ کا عورت کے حسن و جمال اور عادات و خصائل کے بیان، اور عورت سے یا اس کے بارے میں یا اس سے اسی کے بارے میں بات کرنے پر اطلاق کرتے ہیں۔

غزل کی مختلف قسمیں ہیں: غزلِ عفیف اور غزلِ فحش، حقیقی غزل اور تخیلاتی غزل۔ یعنی غزل کو واقعاتی اور اخلاقی حوالے سے دیکھا جاتا ہے۔ انسانی معاشرہ ہمیشہ سے محبت کا پیچھا کرتا آیا ہے، اور اسے محبت کرنے والے کی کمزوری گردانتا، نیز محبوب کے ذکر کو رسوائی خیال کرتا ہے، اس لیے کہ محبت کو زندگی کا غیر سنجیدہ

پہلو اور لہو ولعب کہا گیا ہے۔ غزل کے حوالے سے کئی کتابیں تصنیف کی گئیں، جو گرفتارانِ محبت کا احوال اور غزل کے دشت میں سرگرداں لوگوں (شعرا) کے واقعات کو بیان کرتی ہیں، جیسے أبوالفَرَج الأصفهاني کی کتاب الأغاني، جعفر بن أحمد السرّاج کی مصارع العشاق اور داود الأنطاکي کی تصنیف نزهة المشتاق في أخبار العشاق۔

غزل دینی

یہ خصوصی طور پر پیغمبر کے لیے لکھی جانے والی مذہبی (عقیدت پر مبنی) مدح وثناء (نعت) کی ایک قسم ہے۔ جذبات (تقدیس وعقیدت) کی فراوانی، بلندیِ مضامین اور بیان میں اخلاص (اور عدم تصنع) اس بات کے متقاضی تھے کہ شعرا اس میں غزلیہ واردات اور وجدانی کیفیات کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کام میں لائیں۔ یوں مدحِ نبوی (نعت) ایک خاص شکل اختیار کر گئی، جسے غزلِ دینی کا نام دیا گیا، جو ایک پہلو سے غزلِ عفیف (غزلِ عذری) سے مشابہ ہے، اور دوسرے اعتبار سے محبتِ الٰہی میں کہے جانے والے اشعار کے ساتھ بڑی مماثلت رکھتی ہے۔ تاہم، اس غزل کے مضامین کو نہایت پاکیزہ بنایا گیا، اور اس کے ذریعے ذاتِ محمدی کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے حجاز میں پیغمبر کے دیار وآثار کا تذکرہ کیا گیا۔ اس مذہبی غزل کے مشہور شعرا میں ابن جابر الأندلسي (مقیم حلب)، ابن معتوق اور ظہیر الدین الحلبي شامل ہیں۔ یہ سب کے سب متأخر ادوار کے شعرا ہیں۔

غزلِ صریح [غزلِ مکشوف؛ غزلِ اباحی]

جب مکہ اور مدینہ کے شہروں میں فتوحات سے حاصل ہونے والے مال ودولت کی کثرت سے ہر سو مرفّہ الحالی اور آسودگی پھیل گئی، اور سب لوگ غلام لونڈیوں کے مالک ہو چکے، تو وہ لہو ولعب اور نغمہ وموسیقی میں مشغول ہو گئے۔ امویوں نے انھیں مزید خوش عیشی کی لذتوں میں منہمک کر دیا، تاکہ وہ خلافت کا حق طلب کرنے کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ کتاب الأغاني اس لہو ولعب کی بالکل ٹھیک تصویر پیش کرتی ہے، جو سب مردوں عورتوں، حتی کہ طبقۂ زُہّاد کے ہاں بھی بار پا گیا، بایں طور کہ مکہ اور مدینہ ایک ایسی سلطنت معلوم ہونے لگے جو نغمہ وموسیقی سے عبارت ہو۔

شعرا عشق وغزل کے ہو کر رہ گئے، اور غناء کی مناسبت سے (بسہولت) موسیقی کی دھنوں میں ڈھل جانے والے ایسے قصائد کہنے لگے جو مرد وزن، سبھی کو لبھانے اور اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ شعر وقصیدہ کی باقی تمام اغراض کو بھلا کر شعرا نے سبک انداز میں مختصر قطعے نظم کیے، اور ان میں آسان بحور اور رواں اوزان استعمال کیے، نیز طویل بحور (جیسے مثمن) کے مجزوء (یعنی ہر مصرعے میں ایک ایک رکن کم والے) اوزان کام میں لائے۔ ماضی کو وہ بھول گئے، اور جاہلی دور کے شعری قالب فراموش کر دیے۔ ان کی غزل میں نئے سماجی احساسات جھلکنے لگے، جن میں ملاقات کا کھلا اظہار اور عورت کو حاصل ہونے والی آزادی کا ذکر شامل ہیں۔ گویا شعر محض جوانی کا گیت بن کر رہ گیا۔ اگرچہ کچھ شعرا ایسے بھی تھے جنھیں صادق الحب کہا جا سکتا ہے، یا ایسے جنھوں نے ہر دو شہروں کی اکثریت کے ہاں آزادی کے اس بے حدود وضابطہ مظاہرے سے تنگ آ کر دنیا تیاگ دی۔ مکے اور مدینے میں پنپنے والی اس غزلِ صریح کے ممتاز نمائندگان میں عمر بن أبي ربیعة، الأحوص اور العَرْجي شامل ہیں۔

غزلِ عذری: [غزلِ عفیف]

غزلِ صریح کے برعکس یہ غزل پاکیزہ اور صاف ستھری ہے۔ اسے بنوعُذْرة سے منسوب کیا جاتا ہے، جو قُضاعة قبیلے کی ان شاخوں میں سے ایک ہے جو حجاز کے شمال میں واقع وادي القُرَی میں آ کر آباد ہوئیں۔ اس غزل کی وجہِ نسبت یہ ہے کہ بنوعذرہ کے شعرا نے زیادہ تر پاکیزہ وعفیف غزل لکھی۔ وہ اگر کسی کے حوالے غزل کہتے تو مرتے دم تک صراحت نہ کرتے۔ غزلِ عذری صرف بنوعذرہ تک محدود نہ رہی، بلکہ نجد وحجاز کے دوسرے قبائل، خاص طور پر بنوعامر کے شعرا بھی اس رنگ کی غزل کہنے لگے۔ پاکیزگیِ نفس پیدا کرنے میں بلاشبہہ اسلام نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ مکہ اور مدینہ، جہاں خوش حالی کی گود میں غزلِ صریح پروان چڑھی، اسلامی مملکت کی حدود پر جاری جنگوں سے بہت دور واقع تھے۔ غزلِ صریح اگر شہروں اور وہاں کی ناز ونعم والی زندگی کی پیداوار تھی، تو صحراء کی کھلی فضاء غزلِ عذری کا مولد ومنشأ بنی اور وہاں کے باشندوں کی مثالیت اور ایمان پر مبنی سوچ اس کے جنم کا باعث۔

کتاب الأغاني اور اس نوع کی دیگر کتبِ ادب جیسے مصارع العشاق اور تزيين الأسواق في أخبار العشاق میں عذری غزل کہنے والے (افلاطونی محبت کے قائل) عشاق کا بہت کچھ احوال اور

شاعری موجود ہے۔ ان کی شاعری میں عشق کی سچی اور پاکیزہ صورت دیکھنے کو ملتی ہے، جس پر وجدان اور جذبے کا عنصر غالب ہے۔ علاوہ ازیں، صراحت سے گریز ایک کرب کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔ نیز اس میں گھر والوں کی طرف سے نازل ہونے والے عتاب کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ غزلِ عذری کی شاعری (مختصر یا نسبتاً طویل) قطعوں کی شکل، نیز قصوں کا انداز لیے ہوئے ہے۔ غزلِ عذری کے شعرا میں عُروۃ بن حزام اور اس کی حبیبہ عَفْراء، جمیل بن مَعْمَر اور بُثَیْنَۃ، توبۃ بن الحُمَیِّر اور لیلی الأَخْیَلِیَّۃ، المجنون قیس بن الملوّح اور لیلی العامریۃ، اور قیس بن ذَرِیح اور لبنی شامل ہیں۔ [واضح رہے کہ اوّل الذکر تینوں محبوبائیں خود بھی شعر کہتی تھیں، جب کہ آخری دو شاعرہ نہیں تھیں]۔

غزل بالمذکر

یہ ایسی غزل ہے جو مرد کی مرد سے محبت پر مبنی ہوتی ہے، جو انسان کی ناپسندیدگی اور کراہت کے باوجود زمانۂ قدیم سے باشندگانِ ارض کے ہاں معروف رہی ہے۔ بعض مقدس کتابوں میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ جاہلی دور کی شاعری میں غزل بالمذکر پر مشتمل تھوڑے سے اشعار پائے جاتے ہیں۔ تاہم، مؤرخین نے انھیں ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے درج کرنے سے گریز کیا۔ غزل بالمذکر (باقاعدہ طور پر) عباسی دور کے شروع میں والبۃ بن الحُباب کی شاعری سے مشتہر ہوئی۔ یہ والبہ، ابونواس کا استاد تھا (جو اس قسم کی غزل کا سب سے مشہور شاعر ہے)۔ غزل بالمذکر متأخر ادوار میں اس وقت کثرت سے لکھی جانے لگی جب افیون ایسی نشہ آور اشیاء کا استعمال عام ہو چکا تھا۔

بعض شعرا نے، البتہ محض تفننِ طبع کے طور پر کسی مذکر کے وجود کے بغیر غزل بالمذکر لکھی۔ بلکہ اس نوع کی غزل کے کچھ شعرا علمائے دین اور فقہا بھی تھے، جنھوں نے اپنے زمانے کے شعری مذاق کی موافقت میں شعر کہے۔ دُمیۃ القصر کا مصنف الباخرزي لکھتا ہے: میرے والد، جو بڑے علم وفضل کے حامل تھے، نے غلمان کے بارے میں غزلیہ اشعار لکھے ہیں۔ الشیخ البَهائي کے غزل بالمذکر میں کئی قصائد ہیں، دراں حالے کہ وہ اس حوالے سے پاک دامن ہیں۔ (غزل بالمذکر کا رواج بعد ازاں عام ہو گیا تا آں کہ) بعض متغزل شعرا بھی مذکر کا صیغہ استعمال کرنے لگے، جب کہ مراد مؤنث لی جاتی۔ اس طرح ہر دو قسم کی غزل میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔

غلامیات

عباسی دور میں ایک عجیب بدعت کا ظہور ہوا، جس کے مطابق خوب صورت لونڈیوں نے لڑکوں کا لباس پہننا شروع کر دیا۔ وہ اپنے بال بھی کٹوا تیں تھیں اور اس مردانہ ہیئت میں بازاروں کا رخ کیا کرتیں۔ اس بدعت کے ظہور کا سبب لونڈیوں باندیوں کی کثرت، بے حدود قیود آزادی اور بدکاری تھی۔ فاسق شعرا ان زنانِ مرد نما... [یا صاحبِ ''گلزارِ نسیم'' کے الفاظ میں (جو نما گندم بالیوں)]... کی لفظی تصویر کشی میں باہم تفاخر کیا کرتے۔ ابونواس نے بھی ان امرد لونڈوں کی ہیئت والی لڑکیوں کے بارے میں غزلیہ قصائد لکھے ہیں، جن میں انھیں مذکر ہی کے صیغے سے مخاطب کیا ہے۔ [غلام کا لفظی مطلب ہے لڑکا، اور اس کی جمع غِلْمان ہے]۔

نسیب

شعرا کے نزدیک غزل، نسیب اور تشبیب میں باہم فرق پایا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فرق غیر واضح ہے، اور اسے نظر انداز جا سکتا ہے۔ ان کے خیال میں نسیب عورتوں کے جسمانی محاسن و اخلاقی اوصاف، اور اس کے تحت انھیں لاحق ہونے والی محبت کی جذباتی کیفیات کا بیان ہے۔ جب کہ غزل انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جسے وہ عورتوں سے لگاؤ اور اشتیاق کے دوران محسوس کرتا ہے۔ گویا نسیب غزل کا بیان اور خود مراد لی جانے والی غزل ہے۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے امرؤالقیس نے شعر میں عریاں بیانی اور خواتین کے محاسن و اوصاف بیان کرنے (تشبیب) کا آغاز کیا، حتی کہ وہ (اسی روش کے تحت) اپنے باپ کی حرم سرا کو بھی تشبیب کا موضوع بنانے سے باز نہ آیا، اور یہی اس کی جلاوطنی کا باعث بنا۔ امرؤالقیس سے قبل اس کا ماموں المُہَلہِل تھا، جو زِیرِ النِّسَاء (عورتوں کی مصاحبت اور ان سے گفتگو کا شائق) کے لقب سے مشہور تھا، مگر وہ عریاں بیان اور فحش گو نہیں تھا۔ ان کے بعد الأعشی اور النابغۃ الذُّبیاني نے اپنی غزل میں خاصی شیفتگی و صریح بیانی کا اظہار کیا۔ ان کے علاوہ دیگر شعرا کے ہاں نسیب عام نوعیت کا حامل تھا، جس میں آثار و باقیاتِ دیار، (وہاں) غٹرغوں کرتے کبوتروں (یا کوکو کرتی فاختاؤں) اور سنسناتی ہواؤں کا ذکر ہوتا۔

وہ اگر عورتوں کے محاسن و اوصاف بیان کرتے، تو محض وہی جن پر سب کی نظر پڑتی ہے۔ یہی وجہ تھی

کہ عرب عورت اس بات کو ناپسند نہیں کرتی تھی کہ اس کے محاسن کا وصف و بیان کیا جائے۔ بلکہ وہ شک اور گمان میں ڈالنے والی کسی بات اور جسم کے عمومی لحاظ سے نظر نہ آنے والے محاسن کے ذکر و صراحت سے پریشان ہوتی تھی۔ غزل یا نسیب وصف و بیان ہی کی ایک قسم ہے۔ بیوی یا محبوبہ ہونے کے ناتے عورت سے تشبیب و تغزل کا اظہار کیا جاتا، جو واقعاتی بھی ہوتا اور خیالی یا رمزیہ انداز کا حامل بھی۔ جاہلی دور کی شاعری میں وصف کی یہی قسم (غزل) بیش تر رواج پذیر تھی۔

اسلام کی آمد کے بعد گمان کی حامل آنکھیں ایمان لے آئیں، اور نظریں پاکیزگی کا دم بھرنے لگیں۔ تاہم، شعرا نے اپنے قصائد میں نسیب کو برقرار رکھا۔ البتہ، اس کا ذکر سرسری اور مختصر کر دیا۔ پھر جب معاویۃ بن أبي سفیان کا دور آیا تو انھوں نے لوگوں کو آسائشوں کا رسیا بنا دیا، اور آزادیِ زبان و نظر کی جرأت دلائی۔ چنانچہ موسیقی نے (خوب) رواج پایا، جس سے غزل کی مانگ بڑھ گئی۔ اس پر عمر بن ابی ربیعہ جیسے غزل کے شعرا بکثرت نمودار ہونے لگے، جنھوں نے کوئی خاتون یا لڑکی ایسی نہ چھوڑی جس کے بارے میں غزلیہ اشعار نہ کہے۔ اس طرح جمیل، کُثیِّر، نُصَیب، جُنادۃ، الأحوص اور وضّاح الیمن ایسے عشاق شعرا کا ایک پورا گروہ پیدا ہو گیا۔ کتاب الأغاني ان کے اور ان جیسے دیگر شعرائے غزل کے شعر و احوال سے بھری پڑی ہے۔

عباسی دور میں غزل نہایت عام ہو گئی، اور خلفا خود غزل کا تقاضا کرنے لگے، حتی کہ خلیفہ ھارون الرشید نے شاعر أبو العَتاھیۃ کو محض اس لیے زنداں میں ڈال دیا تھا کہ اس نے غزل ترک کر دی اور زُہد پر مبنی نصیحت آمیز شاعری کرنے لگا۔ غزل کے دیگر شعرا میں بشّار بن بُرد، أبو نُواس، البُحتُري، اور ابن زَیدون شامل ہیں۔ غزل میں ارتقاء ہوتا رہا، اور بعد ازاں اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

آخر میں یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ جاہلی دور کی زندگی میں نسیب انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اسی لیے نسیب کو (قصیدے کی) دیگر اغراض پر مقدم رکھا جاتا تھا۔ یہ نسیب دراصل اس عارضی تعلق پر دلالت کرتا ہے جو (مختلف قبیلوں یا ان کی شاخوں کا) کسی نخلستان یا سبزہ گاہ میں اکٹھے ہو جانے پر (صحرا نشین) عربوں کے ہاں رائج تھا۔ جاہلی دور کا شاعر محبوبہ کے اصل نام کو چھوڑ کر نسیب کی تصریح میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا تھا۔

حواشی

* عمر فاروق، لیکچرر/ ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

(۱) وصف یا صفہ عربی میں کسی چیز (اور اس کے متعلقات و احوال) کی لفظوں میں تصویر کھینچنے کو کہا جاتا ہے۔

(۲) واضح رہے کہ عربی میں غزل سے مراد محض تغزل ہے، اور تعمیمی اطلاق یا دقیق معنوی فرق سے قطعِ نظر، اسے نسیب اور تشبیب بھی کہتے ہیں۔

(۳) ابتدائی فارسی قصائد، عربی قصائد کی 'کاربن کاپی' معلوم ہوتے ہیں۔ یوں کہ فارسی شعرا نے بھی عربوں کی طرح وقوف اور استیقافِ اصحاب، استنطاقِ اطلال اور تحسُّر و بکاء، در ذکر احباء سے اپنے قصائد کا آغاز کیا۔ یعنی عربی شاعر جس طرح صحرا میں سفر کے دوران اپنے قیام کے پرانے دیار کی کھنڈر بن جانے والی باقیات پر ٹھہرتا اور ساتھیوں کو بھی ٹھہرنے کے لیے کہتا، پھر ان آثار سے مخاطب ہو کر بچھڑ جانے والے احباب کے بارے میں پوچھتا، اور ان کی یاد میں حزن و ملال کا اظہار کرتے ہوئے نالہ و زاری کرتا۔ لامعی جرجانی کے ایک قصیدے کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

ہست این دیارِ یار، اگر شاید فرو آرم جمل
پر سم رباب و دعد را حال از رسوم و از طلل

جب کہ معزی نیشاپوری کے ایک قصیدے کا مطلع گویا امرؤ القیس کے معلقے کا سر آغاز ہے:

ای ساربان، منزل مکن جز در دیارِ یارِ من
تا یک زمان زاری کنم بر ربع و اطلال و دمن

(۴) تشبیب عمومی لحاظ سے قصیدے کے ابتدائیہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ فارسی میں وصفِ دیار کے علاوہ، بعد میں مناظرِ فطرت، بالخصوص بہار کے وصف و بیان سے بھی قصیدے کا آغاز کیا گیا، اور کبھی پورا قصیدہ بہاریہ ہوتا۔ عربی شاعری میں ابتدائیے سے ہٹ کر وصف الربیع پہلے سے موجود رہا ہے، اور عباسی دور میں أبو نواس اور ابن المعتز کے ہاں خاص طور پر باغات اور حوضوں کی منظر کشی پائی جاتی ہے۔ جب کہ چوتھی صدی ہجری کے ایک عربی شاعر الصنوبري کی تمام کی تمام شاعری باغات کے وصف پر مشتمل ہے۔

(۵) شبلی نعمانی کے مطابق غزل نے فارسی کے پہلے باقاعدہ شاعر رودکی (وفات: ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) کے دور میں ہی قصیدے سے الگ، اپنی مستقل حیثیت حاصل کر لی تھی۔ جب کہ بعض دیگر محققین سنائی غزنوی (وفات: ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کو اس غزل (یعنی بطور ایک علاحدہ صنفِ سخن) کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔

(۶) واضح رہے کہ عربی میں لفظ قصیدۃ کا مفہوم آج بھی وہی لیا جاتا ہے جو پہلے تھا، یعنی نظم۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ جدید میں لکھی جانے والی آزاد نظم کو معاصر عربی زبان میں قصیدۃ ہی کہا جاتا ہے: قصیدةٌ مِنَ الشِّعْرِ الْحُرِّ، یعنی a poem in free

verse۔(ضمناً): اردو میں غزل اور نظم ایک دوسرے سے علاحدہ اصنافِ سخن ہیں۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ free verse کو جب 'آزاد نظم' کے نام سے اردو میں اپنایا گیا، تو صنفِ نظم کی اس توسیع کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے یہی صفت (آزاد) غزل کے ساتھ استعمال کی، اور یوں 'آزاد غزل' کے نمونہ جات کا وجود عمل میں آیا۔ جب کہ قصیدہ اور مرثیہ وغیرہ کا بطور اصنافِ سخن آج کل رواج نہیں رہا، ورنہ 'آزاد غزل' کی طرح 'آزاد قصیدہ' اور 'آزاد مرثیہ' کی بھی کم سے کم تنقیدی اصطلاحات ضرور وضع ہو جاتیں۔ لیکن، اگر غزل، نظم سے علاحدہ وجود نہ رکھتی، تو اردو کی اس 'آزاد غزل' کا اصطلاحی ظہور بھی نہ ہوتا۔

(۷) عربی مادّہ ہائے الفاظ کے بنیادی معانی کا تعین کرنے میں چوتھی صدی ہجری کے امامِ لغت اَبوالحسین اَحمد بن فارس کی معجم مقاییس اللغة ایک معتبر حوالہ جاتی لغات شمار کی جاتی ہے۔ اس میں واضح طور پر درج ہے کہ غین، زاء اور لام کا مادّہ (الگ الگ معانی کے حامل) تین مختلف (طرح کے) الفاظ کی بنیاد ہے، اور تینوں میں سے کوئی بھی دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ابن فارس کے الفاظ ہیں: اَلغَیْنُ وَالزَّاءُ وَاللَّامُ ثَلَاثُ کَلِمَاتٍ مُتَبَایِنَاتٍ، لَا تُقَاسُ مِنْهَا وَاحِدَةٌ بِأُخْرَی۔

(۸) عربی زبان کی مبسوط لغات (جیسے لسان العرب اور تاج العروس) میں غَزَل کا مطلب ہرن (یا ہرن کے بچے) کی چیخ کہیں مذکور نہیں۔

(۹) عرب لڑکی کو غزال سے محض تشبیہ دیا کرتے تھے۔ ورنہ اشتراکِ مادّہ سے قطعِ نظر، معنوی طور پر یہ الفاظ ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں۔ البتہ، کسی مناسبت کے لحاظ سے شاعرانہ توجیہ ضرور کی جا سکتی ہے۔ نیز شعر میں غزل اور غزال کا اکٹھے لانا بھی صرف ایک صنعتِ لفظی (تجنیسِ غیر تام) کا استعمال ہے، اس سے زیادہ نہیں، جیسے:

ہیں آنکھوں میں جو در آئے غزال آہستہ آہستہ
غزل کی سمت جا نکلا خیال آہستہ آہستہ

اسی طرح دَمُ الْغَزَال ایک قسم کی نبات کا نام ہے، جو کھائی جاتی ہے، اور اس کے سرخ عرق کو مہندی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے، جس سے لڑکیاں اپنی کلائیوں پر کنگن بناتی ہیں، جنھیں مَسَك (بفتحِ میم وسین) کہتے ہیں۔ پورے طور پر عربی زبان سے واقفیت نہ رکھنے والے حضرات کو دھوکا ہوا، اور وہ حرفی مشابہت کی بنا پر لغت میں دم الغزال کی تشریحی عبارت میں درج اس لفظ کو مِسْك سمجھے۔ پھر اسی لحاظ سے غزل کے لفظ کی معنوی توجیہ کرتے ہوئے اس کا ایک مطلب خوشبودار بوٹی قرار دیا، جو صریحاً غلط ہے۔ مزید برآں، واضح رہے کہ زنگی سلطان کافور الإخشیدي کی مدح میں المتنبّي کے مندرجہ ذیل شعر میں دم الغزال اپنے لفظی (یعنی ہرن کے خون کے) معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور مذکورہ نبات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نبات کو اس کے سرخ عرق کی وجہ سے ہرن کے خون سے تشبیہ دے دی گئی ہو، بایں سبب کہ عام طور پر اس کی روئیدگی وہاں ہو جہاں ہرن پائے جاتے ہوں۔ جب کہ متنبّی کے شعر میں محض لفظی اشتباہ ہے، جسے ایک

قسم کا توریہ یا صنعتِ ایہام کہہ سکتے ہیں:

وَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ ، وَأَنْتَ مِنْهُمْ فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ

[ترجمہ: تم اگر ساری مخلوق سے بڑھ کر ہو، درآں حالے کہ اسی خلقت سے تعلق رکھتے ہو،
تو (سب کو معلوم رہے کہ) مشک (نافۂ آہو) بھی ہرن کا خون ہی ہوتا ہے (مگر فائق تر)۔]

فارسی میں انوری نے اسی مضمون کو ایک دوسرے انداز میں زیادہ لطیف بنا کر پیش کیا ہے:

در جہانی واز جہاں بیشی ہم چو معنی کہ در بیاں باشد

جب کہ متنبّی نے کافور کی سیاہ رنگت، نیز کنیت اَبُوالمِسک کی مناسبت سے مشک کا ذکر کیا، اور موقعے کے لحاظ سے مضمون کو بہترین انداز پر باندھا۔

(۱۰) غالب نے ایک جگہ محبوب کے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے، جسے شارحین نے مبتذل اور فصاحت کے معیار سے گرا ہوا قرار دیا۔ عربوں کی غزلیہ شاعری میں اگر مرد کا خطاب عورت سے تھا، تو اِدھر ہندوستان کی مقامی شعری روایت میں عورت کی زبانی مرد سے اظہارِ محبت کیا جاتا تھا۔ جب کہ اردو شاعری نے فارسی غزل کے اتباع میں مرد کی زبان سے مرد ہی کو مخاطب کیا۔ اس طرح پر محبوب کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کرنے کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ غزل جب فارسی میں باقاعدہ لحاظ سے ایک علاحدہ صنفِ سخن کے طور پر سنائی غزنوی اور اَوحدی مَراغی ایسے صوفی شعرا کے ہاں ظہور میں آئی تو انھوں نے خدا کو محبوب قرار دیتے ہوئے عشقِ حقیقی کے اظہار میں مذکر سے خطاب کیا، جو دیگر شعرائے غزل کے ہاں بھی رواج پا گیا۔ مستزاد یہ کہ تذکیر و تانیث کے لیے فارسی میں الگ الگ صیغہ جات نہیں پائے جاتے۔ نیز (مجوسیوں کے مے کدوں میں ساقی گری پر مامور اَمردِ مُغ بچگان کی روایت کے زیرِ اثر) مسلمانوں کی مجالس میں خوب رُو ترک غلاموں (وِشاقان) کی خدمت گاری نے مذکر ہی کو غزل کا محبوب بنا ڈالا، اور قطعِ نظر مستثنیات کے، یہی انداز اردو غزل میں اپنایا گیا، اور اس قدر رواج پذیر ہوا کہ مؤنث کو بھی مذکر ہی کے صیغے میں مخاطب کرنا معتبر قرار پایا۔ (واضح رہے کہ اپنی بھرپور اثر اندازی کے بعد جب عربی شاعری اہلِ عجم کی مجلس آرائی اور طرزِ سخن سے اثر پذیر ہونا شروع ہوئی، اور اس میں بھی مذکر سے غزلیہ خطاب کیا جانے لگا، تو رواجاً حزل شعرا نے بھی مذکر ہی کا صیغہ استعمال کیا، جب کہ مراد مؤنث لی جاتی۔ ملاحظہ کیجیے اِس مضمون کے آخری مترجمہ حصے کا ایک اندراج 'غزل بالمذکر')۔ بہرکیف، یہاں لائقِ توجہ بات یہ ہے کہ غزل میں گوناگوں معاشرتی مسائل، مصائبِ زمانہ اور انسانی فطرت کا عکس پیش کرتے ہوئے جب شاعر اپنے تغزلِ محض سے اخذ کردہ مختلف رموز و علائم کو انسانی زندگی کے دیگر تجربات و سوانح پر منطبق کرتا ہے، تو اس ضمن میں (کم سے کم اردو غزل میں) مذکر کا صیغہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر متنوع سماجی و سیاسی امور پر تبصرہ و تعریض کرتے ہوئے؛ نیز زندگی، انسان اور کائنات کے حوالے سے کنہ و حقیقت اور مبدأ و مآب ایسے مسائل کے بارے میں فلسفیانہ خیالات کے غزلیہ اندازِ اظہار میں بھی۔

(۱۱) فرانسیسی اور انگریزی اصطلاحات: pseudonym، nom de plume، nom de guerre، anonym اور pen-name، جن سے عام طور پر تخلص کا ترجمہ کرلیا جاتا ہے، اور جو اپنے اصل معنوں میں قلمی یا مستعار نام کے لیے استعمال ہوتی ہیں، تخلص سے مختلف حیثیت کی حامل ہیں۔ عربی میں بھی شعری لقب (اللقب الشعري) کہ کر تخلص کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے بھی خاص اردو/ فارسی والا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔

(۱۲) واضح رہے کہ غیر عرب سامی اقوام، نیز آریائی قوموں کے نزدیک یہی عیب (تضمين) ایک معروف و مقبول چیز رہی ہے، کہ ان کی شاعری میں اشعار کا آپس میں معنوی ربط ہوتا ہے، اور ایک شعر کا مطلب دوسرے شعر سے ملائے بغیر واضح نہیں ہوتا۔ اسی لیے ان کے ہاں قصیدے، یعنی نظم اور قطعے، یعنی بند کے شعر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و منسلک ہوتے ہیں، خاص طور پر رزمیہ داستانوں (epics) اور غنائی شاعری (lyrical poetry) میں۔

(۱۳) لسان اور تاج میں اس موقع پر بولا جانے والا یہ اظہار یہ درج ہے (جس کا اطلاق مجازاً دیگر موقعوں پر بھی کیا جا سکتا ہے): غَزِلَ وَاللّٰهِ كَلْبُكَ (بخدا، تمھارا کتا سست ہوگیا)، اور ایسا کتا كَلْبٌ غَزِلٌ کہلائے گا۔ الغَزِل کے معنی دیکھیے۔

(۱۴) تاج میں مغازلة سے غَزَل کا بطور اسم ذکر موجود ہے۔ جب کہ لسان نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

(۱۵) تاج میں تغزُّل کا ایک مفہوم غَزَل (یعنی غزلیہ باتوں) کا ذکر بھی درج ہے۔ الغَزَل کے معانی پر حاشیہ (نمبر ۱۷) دیکھیے۔

(۱۶) لسان اور خاص طور پر تاج میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کانٹوں سے پاک اور ٹہنیوں کے بغیر، سبز پتوں والی زمین پر بچھی ہوئی ایک قسم کی گھاس ہے، جس کے درمیان سے (پتلے تنے جیسی) ایک شاخ نکلتی ہے، جسے چھیل کر کھایا جاتا ہے۔ یہ شاخ نیچے سے اوپر تک پیلے رنگ کے پھولوں سے ڈھکی ہوتی ہے۔ اس توضیح سے صاف ظاہر ہے کہ وجہِ تسمیہ اس گھاس کا زمین پر سوت کے دھاگوں کی طرح الجھا گتھا ہونا ہے۔ علاوہ ازیں، اگر یہ میٹھے ذائقے کی حامل نہ بھی ہوتی، تو بنیادی مفہوم پر کوئی فرق نہ پڑتا۔

(۱۷) تاج میں مغزول کے مفہوم کے لیے سورۂ نحل کی آیت ۹۲ کا حوالہ دیا گیا ہے: ... كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا.... لسان اور تاج دونوں میں ابن سِيدَة اور سِيبُوَيه کے حوالے سے غَزَل کو مکڑی کے جالے کے معنوں میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لسان میں غَزَل کو نیز مکڑے کے مفہوم میں بتایا گیا ہے، جس کے مقابل عنکبوت مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۱۸) لسان اور تاج میں ابنِ سیدہ کے حوالے سے غَزَل سے مراد عورتوں سے چھیڑ چھاڑ بھی مذکور ہے۔ تاج میں بعض اہلِ زبان اور ائمۂ ادب کے حوالے سے ذکر ہے کہ غزل اور نسیب سے مراد ہے محبوب کے ظاہری طور پر نظر آنے والے اعضاء کی تعریف یا ایامِ وصل و ہجر کا ذکر۔ پھر صاحبِ تاج نے ابن رشیق کے حوالے سے نسیب، تغزل اور تشبیب کو ہم معنی بتایا اور قُدامہ بن جعفر کی نقد الشعر کی شرح میں عبداللطيف البغدادي کا قول

ذکر کیا ہے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تشبیب اور نسیب باہم مترادف استعمال ہوتے ہیں۔ اسی لیے اہلِ لغت ان میں فرق نہیں کرتے، جو مناسب نہیں۔ عبدالقادر البغدادي نے ابن ہشام کی شرح الكعبية پر اپنے حاشیے میں لکھا ہے کہ تشبیب عورت کی صفات (اور عادات) کے ذکر کو کہتے ہیں، جو نسیب کے مفہوم کا ایک جزو ہے، اور اسے (تشبیب کو) نسیب کا اظہار کرنے والے کی صفات (واحوال) پر منطبق نہیں کرتے، نہ باقی دو (مذکورہ صدر) اجزا (یعنی ظاہری طور پر نظر آنے والے اعضاء کی تعریف اور ایامِ وصل و ہجر کے ذکر) پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ جب کہ تغزل نسیب کے مفہوم کے تحت آنے والے ان چاروں اجزاء کو کہا جاتا ہے، بالکل نسیب ہی کی طرح۔ تغزل، غزل (یعنی غزلیہ امور) کے ذکر کو کہتے ہیں۔ گویا غزل تغزل اور نسیب سے (قدرے) مختلف بات ہے۔

عبداللطیف بغدادی لکھتا ہے: نسیب، تشبیب اور غزل تینوں باہم متقارب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے، بلکہ (عمومی لحاظ سے) انھیں ایک ہی خیال کیا جاتا ہے۔ ہم یہاں اس فرق کو یوں واضح کریں گے کہ غزل محبّ اور محبوب کے مابین وقوع پذیر ہونے والے افعال، احوال اور اقوال کا نام ہے۔ تشبیب محبوب اور اس کی صفات و عادات کی تعریف اور ان کا شہرہ اور صراحت کرنے کو کہتے ہیں۔ جب کہ نسیب ہر سہ امور، یعنی ناسب اور منسوب بہٖ (محبّ اور محبوب) کے احوال اور ان کے مابین باہم پیش آنے والے امور کے مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ گویا تشبیب نسیب کے مفہوم میں داخل ہے، اور نسیب غزل کا ذکر ہے۔ قدامہ کا کہنا ہے کہ غزل عورت سے اشتیاق کے اظہار اور اس پر ڈورے ڈالنے، نیز (کسی شے کی پروا کیے بغیر) عورتوں کی محبت میں والہ و فریفتہ ہونے کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی عورتوں کے لیے سراپا اشتیاق اور انھیں اپنی جانب مائل کرنے کو والہانہ طور پر شیفتگی میں ڈھل جائے تو اسے [غَزِل یا] (مجسّم) غَزَل کہا جاتا ہے۔ جب کہ مائل کرنے والی باتوں میں شیریں خصلتی، ظرافت بھرا جذباتی انداز، حرکات و سکنات میں لطافت، خوش کلامی اور پسندیدہ مزاح شامل ہیں۔ عبداللطیف بغدادی کا مذکورہ صدر شرح میں کہنا ہے کہ غزل کبھی مندرجہ بالا حالت کی استعداد اور ایسی عادات اختیار کرنے کو کہتے ہیں، اور کبھی اس کا اطلاق اس حالت سے متأثر ہونے پر کیا جاتا ہے۔ یعنی شوق کا اظہار کرنے اور والہ و شیفتہ ہونے سے مراد ہے اس امر کا حامل، نیز اس سے اثر پذیر ہونا۔

(۱۹) لسان اور تاج میں تصریح ہے کہ یہ تغزل علی النسب، یعنی قرابت کے حوالے سے ہوگا۔

(۲۰) تاج میں کچھ دیگر ضرب الامثال بھی درج ہیں: أَغْزَلُ مِنْ عَنْكَبُوْت، جس میں أَغْزَلُ (کاتنے) غَزْل سے مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی مکڑی سے زیادہ کاتنے والا/ والی؛ أَغْزَلُ مِنْ فَرْعَل، جس میں أَغْزَلُ سست و فاتر شدنِ سگ (غَزَل) کے معنی سے مبالغہ ہے، یعنی فرعل (کم زوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والے عربوں کے ہاں ایک معروف شخص) سے زیادہ کم زور اور بزدل۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرعل، امرؤ القیس کے طرزِ تغزل کا حامل ایک قدیم شاعر تھا۔ اس اعتبار سے یہ ضرب المثل أَغْزَلُ مِنْ امْرِئِ الْقَيْس کے مترادف ہوگی۔

(۲۱) لسان اور تاج میں مَغْزَل کے ضمن میں ایک شعری استشہاد کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے، یعنی مصدرِ میمی اصل مصدر ہی کے معنوں میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۲۲) یہاں استشہاد کے طور پر نابغہ کا ایک شعر مندرج ہے، اور مغزل سے منسلک دو ایک دیگر الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ استشہاد کے شعر سے ہٹ کر باقی منسلک لفظ اور ان کی توضیح لسان اور تاج میں بھی موجود ہے۔ لسان اور تاج میں غزال اور غزالۃ اور ان کے ساتھ بعض الفاظ کی ترکیبی شکل میں کچھ اشخاص اور جگہوں کے نام بھی مذکور ہیں۔ تاج میں مشہور متکلم اور صوفی شخصیت جناب اُبو حامد محمد کی نسبت (غَزَالِیّ) کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ طوس کی ایک مضافاتی بستی غَزَالۃ کی طرف منسوب ہے۔ نیز ابن الأثیر کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ زاء کی تخفیف کے ساتھ مشتہر یہ نسبت دراصل بہ تشدیدِ زاء (غَزَّالِیّ) ہے، یعنی غزّال (سوت بیچنے یا ہرن کا بیوپار کرنے والے) کی طرف منسوب ہے۔